© rasailojaraid.com

شناخت اور بقا کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس رجحان میں ترقی و برکت عطا فرمائے۔

اسکول میں تدریسی ذمہ داری ہو یا سرکاری دفتر میں انتظامی امور کی ادائیگی یا کسی دکان پر چوکیداری کی ذمہ داری، ایک کارکن ایسی کسی بھی ذمہ داری کو قبول کرتے وقت دراصل متعلقہ ادارے کے ساتھ ایک معاہدہ کرتا ہے کہ وہ ایک مقررہ معاوضے کے عوض ایک ادارے کو اپنا وقت، صلاحیت اور توجہ دے گا۔ قرآن کریم نے اہل ایمان کی ایک اہم صفت یہ بتائی ہے کہ وہ اپنے عہدوں پر قائم رہتے ہیں۔ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمٰنٰتِھِمْ وَعَھْدِھِمْ رٰعُوْنَ (المومنون ۲۳:۸)۔ اس کے برخلاف طرز عمل کو ناپسند کیا گیا ہے اور صفات مردودہ میں شمار کیا گیا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں صاف طور پر یہ بات آئی ہے کہ منافق کی ایک پہچان یہ ہے کہ وہ جب عہد کرے تو خلاف ورزی کرے اور جب امانت دی جائے تو خیانت کرے۔ گویا اسلام ایک مومن اور مومنہ میں جو سیرت و کردار پیدا کرنا چاہتا ہے اس میں امانت اور عہد کا پاس و احترام بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔

اس عمومی اصول کی روشنی میں اگر ایک شخص ایک ادارے سے یہ معاہدہ کرتا ہے کہ وہ ہفتہ میں ۴۰ گھنٹے ایک کام ذمہ داری سے ادا کرے گا یا ہفتہ کے ۵ دنوں میں روزانہ ۸ گھنٹے کام کرے گا اور پھر وہ صرف ۴ یا ۶ گھنٹے روزانہ کام کرے تو یہ معاہدہ کی خلاف ورزی ہے جو اخلاقاً اور قانوناً غلط ہے۔ اس کے برخلاف اگر وہی فرد ادارے سے بات چیت کر کے شرائط میں تبدیلی کرا لے اور طے پا جائے کہ بجائے ۸ گھنٹے روزانہ کام کرنے کے وہ ہفتہ میں ۶ دن روزانہ ۷ گھنٹے کام کرے گا یا ہفتہ میں ۴ دن لیکن ۱۰ گھنٹے روزانہ کام کرے گا، تو جب تک مطلوبہ کارکردگی کا حصول ہو رہا ہے اس باہمی انتظام (Adjustment) سے معاہدے کی کوئی خلاف ورزی نہیں ہوتی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک فرد ادارے سے طے کر لے کہ وہ نصف کام ادارے میں اور نصف اپنے گھر پر کرے گا۔ غرض جب ایک فرد اور متعلقہ ادارے کے باہمی مشورے سے شرائط ملازمت میں رد و بدل کیا جائے تو اسلامی نقطہ نظر سے کوئی حرج نہیں۔

لیکن اگر معاہدہ تو کیا جائے صبح ۸ بجے سے ۴ بجے تک کام کرنے کا، اور ایک شخص ساڑھے نو بجے دفتر آئے اور ایک گھنٹہ اخبار پڑھتا رہے پھر چائے کا وقفہ کر لے اور ایک آدھ گھنٹہ کام کرنے کے بعد نماز کے لیے ایک لمبے وقفے میں چلا جائے اور پھر کھانے کی چھٹی کر لے حتیٰ کہ ۴ بج جائیں اور بغیر کوئی کام کیے گھر چلا جائے تو چاہے وہ وقت پر آیا ہو اور وقت پر دفتر سے نکلا ہو، یہ طرز عمل نہ امانت پر مبنی ہے نہ احساس ذمہ داری پر۔

آپ نے جو مختلف پہلو اپنے سوال میں لکھے ہیں ان کے سلسلے میں مندرجہ بالا گزارشات کی روشنی میں کئی شکلیں پیدا کی جا سکتی ہیں۔ آپ اپنے سکول کی پرنسپل سے مل کر طے کر سکتی ہیں کہ اگر کسی دن آپ کی کوئی کلاس نہ ہو یا نصف دن خالی ہو تو اس میں وقت کا استعمال کس طرح کیا جائے۔ آیا گھر جا کر اس وقت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو پڑھانے کے لیے تیاری میں صرف کریں یا اسکول کے کسی اور کام میں اس وقت کو استعمال کرلیں یا اپنے ذاتی کاموں کے لیے کلی یا جزوی طور پر استعمال کریں۔ اس طرح اسکول تاخیر سے آنے کی شکل میں رضامندی سے طے کرلیا جائے کہ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے اسکول میں دیر تک یا اسکول کے کسی کام کو گھر لے جاکر اضافی وقت دے کر کردیا جائے۔

جہاں تک معاملہ بلارخصت غیر حاضری اور غیر حاضری کے باوجود اپنے آپ کو حاضر دکھانے کا ہے' یہ اسلامی طور پر قطعاً" ناجائز ہے۔ یہ نہ صرف غلط بیانی' معاہدہ کی خلاف ورزی اور سرقہ ہے بلکہ آیندہ آنے والی نسلوں کے لیے ایک گمراہ کن نمونہ قائم کرنا ہے۔

ایک معلم کا اصل اثاثہ علم نہیں سیرت و کردار ہے جو اسے علم کا امین اور انبیا کا وارث بناتی ہے۔ تعلیم و تعلم تو ایک مقدس فریضہ ہے ہی' اگر ایک شخص کسی مقام پر چوکیدار ہو اور وہ بجائے چوکیداری کرنے کے دن بھر سوتا رہے اور رات کو بھی چوکنا نہ رہے تو یہ کون سی امانت اور احساس فرض ہو گا۔ گویا اپنی ملازمت کی ذمہ داریوں کو پورا کرنا ایک فرد کے امانت دار ہونے کے لیے ضروری ہے۔ (ڈاکٹر انیس احمد)

ولدیت کے خانے میں غیروالد کا نام

کچھ لوگ جن کے کاغذات یورپ کے بنے ہوئے ہوتے ہیں یعنی وہ یہاں قانونی طور پر رہایش رکھتے ہیں یا یہاں کی شہریت رکھتے ہیں' وہ اپنے کاغذات پر اپنے کسی قریبی رشتے دار کے' مثلاً اپنے بھائی' بہن یا کسی دوسرے رشتے دار کے بچے لکھوا دیتے ہیں۔ یعنی بچوں کو یورپ میں لانے کے لیے کاغذات میں بچے کے والدین تبدیل ہو جاتے ہیں۔ ہمیشہ کے لیے پاکستان میں بھی اور یورپ میں بھی اصلی والدین تبدیل رہتے ہیں۔

کیا ایسا کرنا درست ہے؟

آپ نے بیرون ملک مستقل طور پر مقیم افراد کے حوالے سے پوچھا ہے کہ کیا وہ اپنے کسی عزیز یا بھائی بہن کے بچوں کو اپنے بچے درج کرا کے قانونی کاغذات کے ذریعے بیرون ملک لے جا سکتے ہیں۔ قرآن پاک نے ہمیں اس سلسلے میں حضرت زید بن حارثؓ کے حوالے سے یہ بات سمجھائی ہے کہ گو وہ مکہ مکرمہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں اس طرح پلے بڑھے تھے کہ لوگ انھیں زید بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم سمجھتے تھے لیکن اسلامی اصول جسے قرآن نے خود طے کر دیا ہے یہ ہے کہ اولاد اس کی جس کے بستر پر پیدا ہو یعنی بچہ کی نسبت برہنائے رحم ہو گی' برہنائے شہرت نہیں ہو گی۔

مسلمان فقہا کا پندرہ صدی سے اس بات پر اجماع ہے کہ بچے کی نسبت اس کے حقیقی ماں باپ کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طرف ہی کی جائے گی۔ اس لیے کسی قانونی دستاویز میں اس نسبت کو تبدیل کرنا اسلامی اصول کے منافی ہو گا۔ اس فقہی صورت حال کے باوجود اگر ایک شخص امریکہ یا یورپ میں اچھے مالی حالات میں ہے اور اس کے بھائی کے بچے یا بہن کے بچے مشکل میں زندگی گزار رہے ہیں تو وہ کیا کرے؟ کیا ان بچوں کو اپنی سگی اولاد ظاہر کر کے اپنے پاس لے آئے اور ان کی تعلیم و پرورش اعلیٰ معیار پر کرے؟ میرے خیال میں اصل مسئلہ فقہی نہیں ہے۔ اسلام نے ہر صاحب حیثیت فرد پر اپنے اعزہ و اقربا کے بعض حقوق متعین کر دیے ہیں جن پر عمل ہونا چاہیے۔ اس کے ساتھ ہی ایک نظام کفالت بھی بنا دیا ہے تاکہ جو لوگ براہ راست مادی فائدہ نہیں حاصل کر سکتے انھیں بھی ہر قسم کی امداد فراہم کی جا سکے۔

اسلام ہر پیدا ہونے والے بچے کے رزق، تعلیم، صحت، تحفظ، عزت اور کاروبار حیات کو جائز طور پر سرانجام دینے کے لیے وسائل کی فراہمی کا ذمہ لیتا ہے۔ اور اگر ایک بچے کے جائز نگران انھیں سہولتیں فراہم کرنے سے عاجز ہوں تو ریاست اس کے ان تمام بنیادی امور کا ذمہ لیتی ہے۔ گویا کسی بچے کی امداد یا کسی عزیز کی مالی امداد کرنے کا محض ایک ہی ذریعہ نہیں ہے کہ اس بچے کا نسب تبدیل کر کے اپنے آپ سے منسوب کر دیا جائے۔ آخر ایک بیرون ملک پاکستانی کو اس بات سے کس نے روکا ہے کہ وہ اپنے بھائی یا بہن کے بچے کی تعلیم، صحت اور لباس وغیرہ کے خرچہ کے لیے ہر ماہ اپنی آمدنی کا ایک حصہ بھیج کر اس کی مناسب و اعلیٰ تعلیم کا بندوبست کرے جب کہ وہ بچہ اپنے والدین کے پاس ہی ہو۔ یہی شکل ایک ایسے بچے کے لیے بھی اختیار کی جا سکتی ہے جو قریبی عزیز نہ ہو لیکن ضرورت مند ہو۔ جہاد کشمیر سے متاثر ہونے والے ہزارہا بچوں کے لیے بیرون ملک پاکستانی اور اندرون پاکستان دردمند حضرات و خواتین تعلیم و تربیت کے لیے خرچہ کا بندوبست کرتے ہیں اور بغیر بچوں کا نسب تبدیل کیے یہ مقصد پورا ہو جاتا ہے۔

ایک اور مشکل جو قیاس کی جا سکتی ہے وہ ایسے لااولاد افراد کا مسئلہ ہے جو کسی عزیز کے بچے کو متبنیٰ بنا کر اپنے پاس لانا چاہتے ہوں۔ اس شکل میں اسلام کا اصول تو اوپر واضح ہو چکا ہے کہ ایسا کرنا مناسب نہیں، ہاں اگر کسی ملک کا قانون یہ اختیار دیتا ہو کہ بغیر نسب تبدیل کیے اس بچے کو کاغذی کارروائی کے بعد پاکستان سے باہر لے جا کر پرورش کیا جائے اور یہ کام اللہ کو خوش کرنے کے لیے ہو تو گو وہ بچہ اپنے حقیقی ماں باپ کی اولاد ہی کہلائے گا لیکن اس طرح اس کی تعلیم و تربیت ایک صدقہ جاریہ کا درجہ رکھے گی۔ اور اس کا اجر اچھی تربیت کرنے والے افراد کو ملے گا۔ ہمارے اپنے دور میں اور بعد کے ادوار میں ایسی صورتیں پیش آ سکتی ہیں جب بچوں کی ایک تعداد یتیم ہو جائے جیسا کہ جہاد کشمیر یا جہاد بوسنیا یا جہاد چیچنیا وغیرہ میں ہوا۔ قرآن پاک نے زکوٰۃ کی لازمی تقسیم میں اس مد کو شامل کر کے ہمیشہ کے لیے اس مسئلہ کا حل تجویز کر دیا ہے۔ پھر صدقات کے حوالے سے یہ بات طے کر دی ہے کہ ایسے افراد کو بے سہارا نہیں چھوڑا جائے گا بلکہ

© rasailojaraid.com